سلطانِ وقت ایک فقیر کی بارگاہ میں

سلطان محمود غزنویؒ

کی

غوث العارفین شیخ ابوالحسن خرقانی قدس اللہ سرہ

کی خدمت میں حاضری

از

مولانا انظر شاہ کشمیریؒ

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مارچ 1955ء

سُلطانِ وقت ایک فقیر کی بارگاہ میں

(ابن الانور مولٰنا سیّد محمد انظر شاہ کشمیری اُستاذ دارالعلوم)

برِّ اعظم یورپ کی دانا قوم نے ہندوستان کے طویل و عریض حصّہ اور اس عظیم الشان ملک میں رہنے والی مختلف عقائد اور مذہبی رسومات کی پابند اقوام پر اپنی حکومت قائم کرنے اور حکومت کے اثرات کو مضبوط و پائدار بنانے کے لئے جن شاطرانہ سازشوں سے کام لیا ان میں سب سے زیادہ گہری اور موثر کارروائی یہ تھی کہ اختلاف مذاہب کی بنیاد پر باہمی منافرت و مناقشات کی داغ بیل ڈال کر ہندوستانیوں کے باہمی تعلقات اور روایتی سلوک و طرزِ عمل میں ایسی خلیج حائل کردی جس کا پاٹنا بہت مشکل اور دشوار گذار مرحلہ بن گیا ہے، "تاریخ کی کتابوں میں عام مسلمانوں اور مسلمان بادشاہوں کے ہندو رعایا پر مظالم کی داستان اس رنگ آمیزی کے ساتھ سُنائی گئی کہ ان مظالم کے بے بُنیاد اور اختراعی افسانوں کو سُنکر عام ہندو تو در کنار خود انسانیت کا قلب لرز اُٹھا ہے اور مسلمان بادشاہوں کی وحشت و بربریت کی یاوہ گوئیوں نے قلب پر ایسا زخم پہونچایا ہے جس کا اندمال آسان نہیں۔

انگریزوں کی اس پُر فریب سازش کے اثرات آج آزاد ہندوستان میں جس طرح نظر آرہے ہیں اور یہاں کی ہندو مسلم میں آپس میں ایک دوسرے سے جس طرح بعید سے بعید تر ہوتی چلی جارہی ہیں اس کو دیکھکر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس دجل و مکر کی بنیاد پر اُٹھائی ہوئی یہ عمارت اپنی تمام وحشتناکیوں اور بربادیوں کے ساتھ ہندوستان کے سینہ پر کھڑی ہوئی اقوام یورپ کی تاجرانہ سیاست کا ثبوت آج بھی پیش کررہی ہے، اور ہندوستان کا ذہین و سمجھ دار طبقہ، بیدار مغز، انسانیت نواز اور انصاف پسند دماغ، اس سمیت کا مؤثر اور مفید علاج تلاش کرنے سے قطعًا عاجز ہے، اور بحالتِ موجودہ کوئی ایسی پیشنگوئی کرنا مشکل ہے جس میں ہندی باسیوں کے دل و دماغ کا اس سمیت سے خالی اور پاک ہوجانے کی اطلاع دی گئی ہو۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ تاریخ کی ان کتابوں میں جو آج اسکول و کالج کے ہر طالب علم کے ہاتھ میں نظر آتی ہیں اور جن سے تاریخ کے ہر طالب علم کا ذہن خراب کیا جارہا ہے اور اُس کی ذہنیت کو فاسد کرکے اسے مسلمان قوم اور خصوصًا مسلمان بادشاہوں کے خلاف تیار کیا جارہا ہے۔

متعصّبانہ اور سیاسی تاریخ کے انہیں انباروں میں مسلمان بادشاہوں کو غلط شکل و صورت میں پیش کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے وہ تاریخ نویسی میں ایک کھلی ہوئی بددیانتی ہے، اور انسانیت کے جسم پر اُن کے قلم کا ایک ایسا زخم ہے جس سے انسانیت کا لاشہ تڑپ اُٹھا ہے۔ متعصب مورخین کے ستم انگیز اور ظلم آفرین قلم سے تمام مسلمان بادشاہ عمومًا اور سُلطان محمود غزنوی خصوصًا زخمی ہوئے ہیں، اور ہر مورخ کی یاوہ گوئی کا تیر بے چارے غزنوی کے سینے میں جاکر پیوست ہوتا ہے، نہ جانے اس "غزنوی" کو مورخ کے پُرفسوں قلم نے کیسے خدوخال کے ساتھ پیش کیا ہے کہ

آج اس کی شخصیت اپنی اصل شکل و صورت کے ساتھ تاریخ کے صفحات سے غائب نظر آتی ہے۔ مورخ "محمود" کو ایک سفاک، جابر، سنگدل اور بے رحم انسان کی حیثیت سے جانتا اور پہچانتا ہے۔ لیکن انصاف پسند حلقوں کو قدیم تاریخ کے خانے میں محمود کی شکل و صورت، ایک رحم پسند، رحم دوست، عدالت گرائی اور رعایا پرور انسان کی دکھائی دیتی ہے، جس کا قلب لینت و رقت سے لبریز اور جس کا باطن خشوع و خضوع کا امانت دار ہے۔ اور پھر یہ دلیل جو "فرشتہ" نے ایک واقعہ کے ساتھ پیش کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غزنوی تاجدار کو "اعزک اللہ فی الدارین کما اعززت ورثتی" کہکر خطاب کیا مسلمانوں کے دل و دماغ کو محمود کی حیثیت سے مطمئن کرنے کے لئے کافی ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ الصادق المصدوق فداہ روحی کے ارشادات ایک مسلمان دماغ کے لئے کس قدر بھاری اور کتنے گراں قیمت ہیں، اس واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے "فرشتہ" نے لکھا ہے:۔

"در آں شب[له] حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم را بخواب دید کہ باو فرمود بایں امیر ناصر الدین سبکتگین اعزک اللہ فی الدارین کما اعززت ورثتی" (فرشتہ ص۳۶)

جس کا حاصل یہ ہے کہ خسرو دین پناہ، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے کے ساتھ محمود غزنوی کو دارین کی سرافرازی کی "نوید جاں فزا" سے بھی مسرور کیا گیا۔ ایک مسلمان کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم رؤیا میں زیارت کس قدر سعادت و نیک بختی کی علامت ہے اس کا احساس ایک مسلمان ہی کر سکتا ہے۔ "فرشتہ" نے محمود غزنوی کی علم پروری، علماء دوستی اور اولیاء اللہ سے عقیدت و نیاز کیشی کے جو واقعات ہم کو سنائے ہیں ان میں یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب و غریب ہونے کے ساتھ سبق آموز اور عبرت انگیز بھی ہے۔

"فرشتہ" نے یہ اطلاع دیتے ہوئے کہ سلطان کا خیمہ شاہی جب "خراسان" میں پہونچا، تو یکایک سلطان دین پناہ کے قلب میں "غوث العارفین شیخ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ" سے ملاقات کا ارادہ اور خواہش پیدا ہوئی۔ لیکن عارفان باللہ سے ایسی سرسری ملاقات اور وہ بھی بے کوشش و بے مشقت، غزنوی کی نظر میں خلاف ادب تھی۔ فرشتہ نے لکھا ہے:۔

"بخاطرش گزشت کہ من از خانہ خود بعزم زیارت نیامدہ ام و امسال برعزم مصالح خراسان آمدہ ام بطفیل آں کار دوستاں خدا را زیارت

"معاً دل میں خیال پیدا ہوا کہ شیخ کی زیارت کے ارادے سے یہ سفر نہیں کیا گیا، بلکہ خراسان کے مُلکی اُمور اِس سفر کا باعث

[له] اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ سلطان غزنوی کو "العلماء ورثۃ الانبیاء" الحدیث کی صحت میں تردد اور اسی طرح قیامت کے متعلق جو احادیث ہیں اسکی صحت میں بھی اطمینان حاصل نہیں تھا نیز اپنی نسبت کو امیر ناصر الدین سبکتگین سے بھی صحیح نہیں سمجھتا تھا، لکھا ہے کہ ایک رات تنہا ایک غلام کے ساتھ کہیں سے آ رہا تھا اور غلام طلائی شمعدان میں شمع رکھے ہوئے راستہ دکھاتا تھا، غزنوی کی نظر اچانک ایک غریب نادار طالب علم پر پڑی جو مدرسہ کے صحن میں طالب علموں کے ایک ہجوم کو "تکرار" کرانے میں مشغول تھا، اور چراغ کے نہونے کی وجہ سے جب کبھی عبارت پر نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس کرتا تو تیزی سے اُٹھتا اور "بقال" کی دوکان پر جو چراغ روشن تھا اسی کی روشنی میں کتاب کو دیکھ کر واپس آتا۔ غزنوی کا رقت انگیز قلب طالب علم کی اس جد و جہد اور علمی راہ میں اس صبر آزما مشقت پر متاثر ہوا، اور وہ طلائی شمعدان شمع کے ساتھ طالب علموں کے اسی تلاش و بے نوا ہجوم کو بخشدیا مع

(حاشیہ بقیہ له)

مع اُسی شب میں تاجدار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ نے اس جامع کلام کے ساتھ غزنوی کو مخاطب فرمایا جس کے متعلق مورخ نے لکھا ہے کہ "ہر سہ مشکل او دریں حدیث حل شد"۔ قیام قیامت کے بارے میں غزنوی کا تامل، خاکسار کی رائے میں بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا "احیاء اموات" کے سلسلہ میں جس کی اطلاع الکتاب المبین میں ان الفاظ کے ساتھ دی گئی ہے کہ "واذ قال ابراھیم ربی ارنی کیف تحی الموتی، قال اولم تومن، قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی" ورنہ مسلمان ہونے کے ساتھ "بعث و نشر" کا انکار کیا معنی رکھتا ہے؟

(انظر)

کردن شرطِ ادب نیست" (فرشتہ صفحہ ۳۶)

تھے، ایسے اصفیاء میں عارفانِ باللہ سے مُلاقات حدود ادب سے بعید ہے"

خیال کیجئے کہ غزنوی جس کو متعصب مورخ کی غلط نگاری نے خود نوجوان مسلمان (جو جدید تعلیم کو حاصل کرکے کالجوں کے ماحول سے باہر نکل رہے ہیں) کی نظر میں بھی مشکوک و مشتبہ کردیا ہے، اسی غزنوی کا قلب اولیاء اللہ اور واصلین باللہ کے ادب و احترام سے کس قدر لبریز اور اُس کی جبینِ نیاز سے نیاز کیشوں کی کھُلی علامت ظاہر ہے۔ اس زندگی کے بعد اگر دوسرے عالم میں پہنچکر مواخذہ اور محاسبہ پر یقین رکھنے والے انسان موجود ہیں تو خواجہ بعث ونشر کی عدالت میں سلطان غزنوی کی شکوہ سنجیوں کا کیا جواب دیں گے کہیں ان ظالموں کا حال وہی نہو جس کی تمنا ایک ایسے شاعر نے بھی کی ہے جو معشوق کی طنازیوں اور ستم انگیزیوں میں مبتلا تھا، شاعر نے کہا ہے کہ ؎

بڑا مزہ ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں چُپ رہو خدا کیلئے

بہرحال مورخ لکھتا ہے کہ اس الہامی خیال کے پیدا ہونے کے ساتھ غزنوی خراسان سے سیدھا ہندوستان پہنچا، اور وہاں سے غزنین کے مرغزار کی طرف لوٹ گیا۔ غزنی پہنچکر سلطان کے قلبِ مُبارک میں شیخ خراسان سے مُلاقات کی خواہش پھر چٹکیاں لینے لگی، اپنے اس ارادہ کی تکمیل کیلئے سلطان ظل اللہ نے خراسان کی راہ لی، اور وہاں پہنچکر جو کچھ پیش آیا، اس کے متعلق فرشتہ لکھتا ہے کہ:۔

"چوں بخرقان رسید کس فرستادہ بہ شیخ پیغام داد کہ سلطان برائے تو از غزنین بخرقان آمدہ است اگر تو نیز از خانقاہ بقصد دیدن او بہ بارگاہ آئی دور نخواہد بود" (فرشتہ)

"ایک شخص کی وساطت سے شیخ کو پیغام بھیجا کہ سلطان آپ سے مُلاقات کرنے کے لئے غزنین سے چل کر آیا ہے، اگر آپ بھی خانقاہ سے بارگاہِ سُلطانی تک آنے کی زحمت اُٹھائیں

اور اس کے ساتھ ہی غزنوی نے قاصد کو ہدایت کی کہ اگر شیخ اس درخواست کو قبول نہ کریں اور بارگاہِ شاہی تک پہنچکر ہم سے مُلاقات کے لئے آمادہ و تیار نہوں تو تم شیخ کے سامنے فوراً اس آیت کو پڑھنا کہ یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ مومنین پر اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ مسلمان حاکم کی اطاعت بھی شرعاً ضروری ہے گویا کہ حق جو، عدالت پسند اور معدلت گستر سُلطان نے ایک فقیر بے نوا کو خدائے لایزال اور احکم الحاکمین کے حکم سے بھی مطلع کیا جس کی اطاعت پر ثقلین کے ساتھ پوری کائنات مجبور ہے۔ بہرحال قاصد نے شاہی پیغام پہونچایا، اور:۔

"چوں شیخ ابا کرد ایں آیت را بخواند"

یعنی غزنوی کی ہدایت کے بموجب قاصد نے شیخ خانقاہ نشیں کے انکار پر حکم خداوندی سُنا کر شیخ کو آنے کے لئے مجبور کیا۔ لیکن قاصد کے جواب میں شیخ نے جس جرأت و بے باکی سے جواب دیا، وہ تاریخ کے صفحات میں اس حیثیت سے کہ ظاہری حیثیت سے ایک بے نوا فقیر نے ایک سُلطان جم جاہ کے مقابلہ میں پوری صاف گوئی سے کام لیا، ہمیشہ موجود رہے گا۔ شیخ نے قاصد سے کہا:۔

"معذور دارد بہ محمود بگیکہ در اطیعوا اللہ چناں مستغرقم کہ از اطیعوا الرسول خجالت میبرم و باولی الامر منکم نمی پردازم" (ایضاً)

"معاف کیجئے، اور محمود سے بھی کہدینا کہ یہاں تو اطاعت الٰہی میں اس قدر استغراق وانہماک ہے کہ اطاعت رسول بھی کماحقہ بن نہیں پڑتی، اطاعت اولی الامر تو در کنار"

قاصد بے نیل مرام فرودگاہ شاہی میں لوٹا اور جو کچھ پیش آیا تھا اُس کی پوری تفصیل بادشاہ کے سامنے رکھ دی۔ محمود غزنوی نے جس کو انگریز مورخ کے قلم نے جابر و مردم آزار ثابت کرنے میں پوری جولانی دکھائی ہے، شیخ کے اس درشت و سخت جواب کو سُنکر کیا کہا؟ اسکی اطلاع دیتے ہوئے فرشتہ نے لکھا ہے کہ:۔

"سلطان رقت نمودہ گفت برخیزید کہ ایں نہ آں مرد است
کہ ماگماں بردہ ایم"

یعنی یہی جابر و سنگدل غزنوی شیخ کے اس جواب کو سُنکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اور خدام شاہی سے بولا کہ اُٹھو، اُٹھو، یہ اس قسم کا انسان نہیں جیسا کہ ہم تصور کرتے تھے۔ ذرا اس کا تصور کیجئے کہ حکمران وقت کی حدودِ سلطنت میں بیٹھ کر ایک غریب و بے کس انسان شاہی دعوت کو اس بے نیازی و بے باکی سے ٹھکرا رہا ہے، اس کے باوجود سُلطان بجائے اس کے کہ شیخ کو اپنی حشمت شاہی و شوکتِ سُلطانی سے مرعوب کرتا، ایک خانقاہ نشیں انسان کے جواب کو سُنکر رقت قلبی میں کھو جاتا ہے اور اس کی آنکھیں اشکبار نظر آتی ہیں گویا کہ شیخ کی ہلکی تنبیہ اور معمولی سرزنش نے شاہ غزنین کو سمجھایا کہ ؎

کوئے یار است ازیں جا بہ تکبر مگزر
سر بنہ، سجدہ گہ گبر و مسلماں اینجا است

سچ ہے کہ "اربابٌ متفرقون" کو چھوڑ کر "واحدٌ قہار" کا قبۂ اطاعت اپنے گلے میں ڈالنے والے قلندر دُنیاوی سلطنتوں کی شوکت و حشمت سے مرعوب نہیں ہو سکتے، اور نہ شاہی کروفر اُن کی نگاہوں کو خیرہ کر سکتا ہے بلکہ تاریخ کے صفحات میں بہت سے شاہانِ تاج پوش ان بے نواؤں کے دروازوں پر جبینِ نیاز رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ ؎

قلندراں کہ براہِ تو سخت می کوشند
ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

اسکے بعد مورخ لکھتا ہے کہ "محمود" نے شیخ کی کسی زندہ کرامت کو دیکھنے کے لئے ایک تدبیر سوچ کر خانقاہ تک پہونچنے کی یہ صورت نکالی کہ اپنا شاہی لباس "ایاز" کو پہنایا اور خود ایاز کا لباس پہنا، اور اس انتظام و اہتمام کے ساتھ شیخ کے مقام مسکونہ کی طرف چل دیا۔ لکھا ہے کہ محمود جب اس انتظام کے ساتھ خانقاہ میں داخل ہوا، اور شیخ کو سلام کیا، تو :-

"شیخ جواب داد اما برنخاست و در ایاز ننگریست"
(فرشتہ)

"شیخ نے مسنون طریقہ پر سلام کا جواب دیا لیکن نہ تعظیماً کھڑے ہوئے اور نہ ایاز کی طرف قطعاً التفات کیا"

غزنوی نے اپنے امتحان کو مکمل کرنے کے لئے ایاز کی حیثیت اور لباس میں آکر شیخ کی جانب سے جب یہ معاملہ دیکھا تو شیخ سے بولا کہ آپ سُلطان وقت کی تعظیم کے لئے کیوں نہیں اُٹھتے، کیا بادشاہ کی آمد اور شاہانہ کروفر کے ساتھ تشریف ارزانی کوئی دھوکہ ہے؟۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ غزنوی کے اس عتاب پر شیخ نڈر ہو کر فوراً بولے کہ ہاں :-

"جملہ دام است امام غش او نیست ہاں پیش آئی کہ پیشت داشتہ اند"
(فرشتہ)

"سب دام فریب ہے لیکن اس جال کا شکار وہ (ایاز) نہیں بلکہ تم ہو، آگے بڑھو کہ تم کو ہی مقدم کیا گیا ہے"

فرشتہ لکھتا ہے کہ اس عجیب و غریب معاملہ پر جو شیخ کی جانب سے پیش آیا، اور اُن کی ایک کرامت کا اس طرح سے ظہور ہوا، تو غزنوی کا وہ دل و دماغ جو قلندرانِ گوشہ نشین کے ادب و احترام سے لبریز تھا، عقیدت سے سرشار ہو کر بارگاہِ شیخ میں عرض پیرا ہوا کہ اگر کچھ نصائح جو دین و دُنیا میں فلاح و بہبود کا باعث ہوں، حضرت فرمائیں تو زہے نصیب۔

فرشتہ نے لکھا ہے کہ غزنوی کی اس عقیدتمندانہ، اور نیاز آگیں درخواست پر شیخ نے نصیحت کے طور پر فرمایا کہ :-

"چہار چیز اختیار بکن، اوّل پرہیزگاری، دوم نماز با جماعت، سوم سخاوت، چہارم شفقت بر خلق"

واقعہ یہ ہے کہ شیخ نے ان نصائح میں بھی اپنی کرامت کا پورا ثبوت پیش کیا ہے، زندگی کے گذارنے کا اتنا مکمل دستور العمل اور دین و دُنیا کی فلاح و بہبود کی ایسی مطمئن کن ضمانت اور کیا ہو سکتی ہے؟ حقیقت یہی ہے کہ اس انسانی زندگی کی تہمت سے متہم ہونے کے بعد ایک انسان کے لئے سب سے اوّل بعد

آخر چیز جو ہے وہ تقویٰ ہے جو ایک لفظ سے زیادہ نہیں لیکن اس کا مفہوم اس قدر وسیع کہ انسانی زندگی اگر اسلامی زندگی کے مطابق گذاری جائے تو اس پر مکمل حاوی، اور محیط ہے۔ تقویٰ و تورع کے الفاظ بہت سہل اور ان کا استعمال آسان ہے لیکن زندگی کو واقعی تقویٰ و تورع کے حدود میں رہ کر گذارنا اسلامی زندگی کا سب سے بڑا اور مشکل ترین نصب العین ہے۔ اس کے بعد ایک مسلمان پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو فریضہ عائد ہو رہا ہے، وہ "الصلوٰۃ" ہے کہ ایک مسلمان اور غیر مسلمان میں سب سے بڑی فرق کرنے والی شرعی حد یہی "اقامت صلوٰۃ" ہے۔

من اقامها اقام الدین و "جس نے اسے قائم کیا اس نے
من هدمها هدم الدین۔ دین کو قائم کیا جس نے اسے منہدم
کر دیا اس نے دین کو منہدم کر دیا"

* * *

یہ دین کا ستون ہے کہ "الصلوٰۃ عماد الدین" یہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے کہ "جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" غرضیکہ ارشادات روحی فداہ سے اسکی عظمت و اہمیت آشکارا ہے، اور یہی شیخ کی عجیب و زندہ کرامت ہے کہ چار نصائح میں سے دو وہ ہیں جن کا تعلق عام مسلمانوں سے ہے اور ہر مسلمان ان کا پابند ہے، اور دو آخیر کی وہ ہیں جن پر امراء اور رؤسا خصوصاً سلاطین ہی عمل کر سکتے ہیں۔ گویا کہ شیخ کی نصائح محمود کی عام و خاص زندگی اور اس کی ہر حیثیت پر حاوی ہیں۔ رحم اللہ تعالیٰ و برد اللہ مضجعہ فرشتہ لکھتا ہے کہ محمود نے شیخ سے دعا کی درخواست کی تو شیخ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد تمہارے ہی لئے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔ غزنوی نے عرض کیا کہ میں آپ کی مخصوص دعاؤں کا محتاج ہوں، تو قلندر خرقہ پوش نے فرمایا کہ :-

"عاقبت محمود باد"

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا اسی کی تفصیل سنانے کے لئے، خاکسار نے یہ زحمت مطالعہ دی ہے گویا کہ اس داستان کا یہ حصہ بیت الغزل ہے۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ رخصت ہوتے وقت محمود نے :-

"بدرہ زر پیش نہاد شیخ نان جوین پیش گذاشت و گفت بخور، سلطان محمود می خائید و در گلویش می گرفت، شیخ گفت در گلویت می گیرد؟ گفت آری" (فرشتہ)

یعنی سونے کے سکہ سے بھری ایک ہمیانی شیخ کے سامنے رکھ کر اس نے قبول کرنے کی درخواست کی، شیخ نے غزنوی کی اس حرکت پر فوراً "جو" کی تیار کی ہوئی ایک روکھی سوکھی ٹکیہ غزنوی کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا کہ کھائیے۔ غزنوی کھاتا تھا لیکن فقیر بے نوا کی روٹی غزنوی بادشاہ کے گلے سے نیچے نہیں اترتی تھی۔ شیخ نے یہ معاملہ دیکھ کر غزنوی سے کہا کہ کیا گلے میں پھنستی ہے؟ سلطان نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس پر شیخ نے جو کچھ فرمایا اس کی اطلاع دیتے ہوئے فرشتہ نے لکھا ہے کہ شیخ نے کہا محمود!

"بدرہ زر تو در گلوے ما ہمچنیں
گیرد بر گیر کہ ایں را طلاق
دادہ ایم" (فرشتہ)

"تیرا یہ عطیہ ہمارے گلے میں بھی یونہی اٹکتا ہے جیسا کہ روٹی کا یہ سوکھا ٹکڑا تیرے گلے میں، اسے اٹھالے کہ دنیا کی مال و متاع کو ہم خیر باد کہہ چکے ہیں"

* * *

اللہ اکبر! دنیاوی مال و منال کو اس حقارت سے ٹھکرانے والے اس گدائے گوشہ نشیں نے نہ مال و منال کی کثرت پر نظر رکھی، اور نہ اس عطیہ کو قبول کرنے کے لئے ایک بے سر و ساماں فقیر کو شاہی شوکت و حشمت مرعوب و مجبور کر سکی۔

واقعہ یہ ہے کہ اس عنقائے بلند آشیانہ کو دنیا کی حقیر و فانی دولت کے انبار سے کیا سروکار، اور جن کی نظر واجب العطیات کی لازوال نعمتوں پر ہو وہ ان عارضی اسباب راحت پر کیوں اعتماد کرنے لگیں، بلکہ ان گدایان بے برگ و باری آرزو و تمنا یہ ہوتی ہے کہ

گر گذارد دہر گردوں در گوشہ تنہائیم
تا ابد ہم صحبتی باخویش، بس باشد مرا

غزنوی جب شیخ کی خانقاہ سے چلنے لگا، تو شیخ تعظیماً سروقد کھڑے ہوگئے، اور مشایعت کے لئے چند قدم آگے بڑھے، غزنوی نے حیران و سراسیمہ ہوکر دریافت کیا، کہ آنے کے وقت آپ نے تعظیم و تکریم کچھ بھی نہ کی تھی، اب اِس اہتمام کا کیا مقصد ہے؟ شیخ بولے:-

"کہ اول در رعونت پادشاہی و نخوت امتحان در آمدی و اکنوں در انکسار درویشی می روی۔" (فرشتہ ص۳۴)

"کہ تم جب آئے تھے غرور پادشاہی سے سر بھرا ہوا تھا، اور اب جا رہے ہو تو فقیرانہ زندگی کے آثار چہرہ شاہی سے عیاں ہیں۔"

فرشتہ کی یہ طویل روایت جس کو احقر نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے، اس سے اہل اللہ کے حالات اور ان کے مضرات در موزات کا احساس کیا جا سکتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ چودھویں صدی کے فقراء و درویش پر زمانہ سابق کے قلندرانِ گوشہ نشین قیاس کر کے مطعون و مذموم کئے جا رہے ہیں۔ یہ آجتک سمجھ میں نہ آسکا کہ چودھویں صدی کے عقل پرست زمانہ میں، عقل نے یہ کیسے جائز قرار دیا کہ اِس زمانہ کی زندگی کا سرا پہلی زندگی سے ملا کر ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جائے اور موجودہ مفاسد کو پہلی زندگی میں دکھانے کی سعی جائز سمجھی جائے۔ خاکسار کے خیال میں تو اس روشن زمانہ کی یہ ایسی تاریک جہالت ہے جس کی مثال زمانۂ "جہالت" کی تاریکیوں میں بھی غالباً نہ مل سکے۔ بہر حال شیخ ابوالحسن خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح پاک اگر آج یوں ترنم ریز ہو کہ

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے، مجھے شکار کرے

تو یہ زمزمہ سنجی برمحل اور واقعی ہوگی۔ اسی کے ساتھ غزنوی کی زندگی کا ایک رُخ بھی سامنے آیا جس سے معلوم ہوا کہ اس کا باطن خشوع و خضوع سے آراستہ اور اس کے دل و دماغ اسلامی زندگی کی خوشبو سے خالی نہ تھے، میرا اپنا تو یہ خیال ہے کہ "محمود و ایاز" کے عشق و محبت کے افسانے اور آقا و غلام کی محبت کی داستاں جو فارسی و اردو شاعری کی جان ہے اگر تاریخی اعتبار سے صحیح تسلیم کی جا سکتی ہے تو عشق مجازی کی ایک ایسی شکل ہے جو خود کو محبوب حقیقی کے خیرہ کن جلوؤں میں گم کرنے کی ایک تمہید، اور ایک خواب دیکھنے کے بعد اس کے تعمیری دور کا پیش خیمہ ہے، اُردو کے ایک شاعر نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے

نہ وہ مبتلائے غلام تھا، نہ تو غزنوی پہ ہو طعنہ زن
وہ تو حُسن تھا، کسی اور کا نظر آیا شکلِ ایاز میں